© rasailojaraid.com

عقیدہ رکھتے ہیں۔ (شرح عقائد نسفی ص۱۱)

اس وضاحت کے بعد سرچشمۂ فساد کا سراغ بآسانی لگ جاتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ اگر صاحب تتمہ احوال شیخ کے نقل و بیان میں صرف اپنی مورخانہ حیثیت پر قائم رہتے تو یہ غوغائے ناروا کبھی بھی سننے میں نہ آتا اور نہ شیخ کے خلاف یہ حادثۂ تاریخی رونما ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ ان بنیادوں کی بنا پر جن کا ذکر میں نے کیا ہے شیخ کے بارے میں "مے نوشی" کی روایت غلط ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتابیات :-

مقالہ کی تیاری میں درج ذیل کتابیں پیش نظر رہیں :-

۱۔ القرآن الکریم
۲۔ مشکوٰۃ المصابیح ۔ خطیب عمری تبریزی (م ۷۴۲ھ) مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔
۳۔ معارف السنن ۔ محمد یوسف بن سید محمد زکریا الحسینی البنوری (م ۱۳۹۷ھ) مطبوعہ کراچی
۴۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (فارسی)۔ مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ نولکشور لکھنؤ
۵۔ القانون فی الطب ۔ شیخ بوعلی ابن سینا ۔ مطبوعہ مطبعہ العامرہ مصر
۶۔ مقدمہ ابن خلدون ـــــ مطبعۃ الامیریۃ بولاق مصر
۷۔ اخبار الحکماء ۔ علی بن یوسف جمال الدین قفطی ۔ مطبوعہ لیپزگ
۸۔ نزہتہ الارواح ۔ شمس الدین الشہرزوری (م ۶۸۷ھ)۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن
۹۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ۔ ابن ابی اصیبعۃ ۔ الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الوہبیۃ مصر
۱۰۔ وفیات الاعیان ۔ ابن خلکان ۔ مطبوعہ مصر
۱۱۔ الملل والنحل ۔ عبدالکریم الشہرستانی ۔ مطبوعہ بیروت۔
۱۲۔ ترجمہ فارسی ملل ونحل ۔ مطبوعہ ایران۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳۔ صراط مستقیم (فارسی) ــــ اسماعیل شہیدؒ ــــ مطبع مجتبائی دہلی
۱۴۔ انفاس رحیمیہ ــــ شاہ عبدالرحیم دہلویؒ مطبع مجتبائی دہلی
۱۵۔ منتخب اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید ــــ آقائی بہمنیار ۔ طبع ایران
۱۶۔ شذرات الذہب ــــ عبدالحی بن العماد الحنبلی ۔ مطبوعہ مصر
۱۷۔ لسان المیزان ــــ احمد بن علی بن حجر شہاب الدین العسقلانی ــــ مطبوعہ حیدرآباد
۱۸۔ الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ ــــ عبدالقادر حنفی (م ۷۷۵ھ) دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن
۱۹۔ تفہیمات الٰہیہ ــــ شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) مدینہ پریس بجنور یوپی ہندوستان
۲۰۔ مجمع البحار ــــ علامہ طاہر پٹنی ۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن
۲۱۔ القاموس المحیط ــــ مجدالدین فیروزآبادی ۔ مطبوعہ بیروت
۲۲۔ المنجد ــــ الاب لویس معلوف السیوعی ۔ طبع بیروت
۲۳۔ غیاث اللغات ــــ محمد غیاث الدین ــــ مطبع نظامی کانپور
۲۴۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ــــ مطبوعہ لاہور
۲۵۔ صراح ــــ ابوالفضل محمد بن عمر جمال القرشی مطبع کانپور
۲۶۔ طب العرب ــــ پروفیسر ایڈورڈ جی براؤن، مع ترجمہ و تشریح حکیم سید علی احمد نیر واسطی مطبوعہ لاہور
۲۷۔ تتمہ صوان الحکمۃ ۔ ظہیر الدین ابوالحسن علی زید البیہقی (م ۵۶۵ھ) مطبوعہ لاہور
۲۸۔ تذکرۃ الاولیاء (فارسی) از فریدالدین عطار ــــ مطبوعہ بمبئی ۔
۲۹۔ کشف المحجوب و الاستار ــــ سید اعجاز حسین کنتوری ۔ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
۳۰۔ اردو ترجمہ تاریخ ادبیات ایران ۔ از رضا زادہ شفق مترجم مبارز الدین رفعت، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی
۳۱۔ شرح عقائد نسفی ۔ علامہ تفتازانی ۔
۳۲۔ فقہ الامام جعفر الصادق، عرض و استدلال الجزء السادس محمد جواد مغنیۃ
۳۳۔ الاستبصار ۔ جلد سوم ۔ ابوجعفر محمد ابن الحسن الطوسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بینک سے تعاون، اور اس کے انٹرسٹ کا شرعی حکم

(۳)

از: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، استاد حدیث وتفسیر، وناظم مجلس تحقیقات شرعیہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء

ہمارے علم ومطالعہ میں اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل اور مدلل بحث علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ نے "زاد المعاد" میں کی ہے جس سے اس قسم کے تمام مسائل بآسانی حل ہو جاتے ہیں اور ان کا شرعی جواب مل جاتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں[1]:۔

"فان قيل فما تقولون في كسب الزانية اذا قبضته ثم تابت
هل يجب عليها رد ما قبضته الى اربابه ان يطيب له أم
يتصدق به قلنا هذا ينبني على قاعدة عظيمة من قواعد
الاسلام وهي ان من قبض ما ليس له قبضه شرعًا ثم اراد
التخلص منه فان كان المقبوض قد اخذ بغير رضا صاحبه
ولا استوفى عوضه رده عليه فان تعذر رده قضى به دينًا

---

[1] اس طویل عبارت کا مطلب یہی ہے کہ حرام طریقہ سے حاصل شدہ مال۔ اکثر شکلوں میں۔ اصل مالک یا اسکے ورثہ کو لوٹایا جائے گا۔ اگر اصل مالک اور اس کے ورثہ تک پہنچانا محال ہو تو پھر صدقہ کیا جائے گا۔ لیکن بعض شکلیں ایسی ہیں کہ ان میں اصل مالک کا علم ہونے کے باوجود بھی انہیں واپس نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں بہت سے مفاسد ہیں بلکہ ایسی صورت میں بھی اس مال کا صدقہ کرنا ضروری ہے (بینک کو مالک قرض کرنے کی صورت میں بھی اس کے پاس سود کی رقم نہ چھوڑنے کا فیصلہ کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يعلم عليه فان تعذر رد ذلك رده إلى ورثته فان تعذر ذلك تصدق به عنه ..... كما ثبت عن الصحابة رضي الله عنهم وان كان المقبوض برضا الدافع وقد استوفى عوضه المحرم كمن عاوض على خمر أو خنزير فهذا لا يجب رد العوض على الدافع لأخرجه باختياره واستوفى عوضه المحرم فلا يجوز ان يجمع له بين العوض والمعوض فان في ذلك اعانة[1] على الاثم والعدوان وتيسير أصحاب المعاصي عليه .... ولكن لا يطيب للقابض اكله بل هو خبيث كما حكم عليه رسول الله .... فطريق التخلص منه تمام التوبة بالصدقة به .... فهذا حكم كل كسب خبيث لخبث عوضه عيناً كان او منفعة[2]"

مال حرام کا یہ حکم اتفاقی ہے

ایسے مال حرام — کہ جس کا اصل مالک یا مستحق کو لوٹانا ممکن نہ ہو — کے بارے میں فقہاء حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور اور معتبر کتاب "الدر المختار" اور اس کی شرح "رد المختار" میں ہے:

عليه ديون ومظالم جهل اربابها	جس کسی شخص پر قرضے ہوں، یا ظلم کے
وأيس من عليه ذلك من	ذریعے سے اس نے مال حاصل کیا ہو
معرفتهم فعليه التصدق	اور مال کے اصل مالک و مستحق کا پتہ

---

[1] اس علت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ یہ مال مالک کو لوٹا دیا جاتا مگر مذکورہ مفاسد سے بچنے کی غرض مصلحت شرعی اسی میں ہے کہ اسے نہیں لوٹایا جائے، بلکہ صدقہ کیا جائے۔ اس توجیہ سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ امریکہ کے سود پر بینک کی ملکیت تسلیم کرلی جائے تو بھی اسے لوٹانا درست نہ ہوگا کیونکہ وہ رقم تخریب اسلام میں صرف ہو سکتی ہے۔

[2] زاد المعاد ج ۴ ص ۲۴۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقدرها .... لکن فی یده عروض لایعلم مستحقیها اعتبارًا للدیون بالاعیان ومتی فعل ذلك سقط عنه المطالبة فی العقبیٰ

نہ چل رہا ہو تو اس کے بقدر صدقہ کرنا ضروری ہے .... اور جب ایسا کرے گا تو آخرت کے مواخذہ سے بچ جائے گا۔ (مفہوم)

اس پر علامہ ابن عابدین شامیؒ نے یہ تعلیق کی ہے :۔

قوله لکن فی یده عروض إلیٰ آخره یشمل ما إذا کانت لقطة او غصبًا أو رشوة فان کانت لقطة فقد علم حکمها (ای وجوب التصدق بها) ان کان غیرها فالظاهر وجوب التصدق بأعیانها وقوله سقط عنه المطالبة .... لأنه بمنزلة مال المناع والفقراء مصرفه عند جهل أربابه۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ :۔ لقطہ، غصب، اور رشوت کے مال کا تقریبًا ایک ہی حکم ہے (اسے صدقہ کیا جائے) البتہ لقطہ کے علاوہ اگر ناجائز ذریعہ سے حاصل شدہ مال بعینہٖ موجود ہو تو اسی کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ صدقہ کے بعد آخرت کے مواخذہ سے بچ جانے کی وجہ یہی ہے کہ اصل مالک کا پتہ نہ چلنے کی صورت میں مال کا مصرف فقراء ہیں۔

حنفی کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے اموال کو لقطہ [2] جیسا سمجھتے ہیں، دونوں (لقطہ اور مجہول الحال مال) میں یہ بات مشترک ہے کہ مال کے اصل مالک کا پتہ نہیں چل رہا ہے اور جس شخص کے قبضہ میں ایسا مال آگیا ہے وہ آخرت کے مواخذہ سے بچنا اور

---

[1] ردالمحتار مع الدرالمختار صفحہ ۲۴۳ ج ۵۔

[2] ل۔ ق۔ ط۔ (لقطہ) اس مال کو کہتے ہیں جو راستہ میں یا کسی بھی جگہ پڑا ہوا مل جائے۔ اس بارے میں سب سے زیادہ واضح اور صریح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم صدقہ ہے جو آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو مشرک سے بازی جیتنے کی شکل میں ملے ہوئے مال کے بارے میں دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا: "تصدق به" (تفسیر ابن کثیر ج ۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بولتا دیکھا جاتا ہے تو شریعت نے اس دشواری کا حل تصدق علی الفقراء بتلایا ہے، چنانچہ بعض احادیث نبویہ اور اکثر اقوال صحابہؓ میں لقطہ کا یہی حکم ملتا ہے مثلاً ایک حدیث ۔ جیسے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بزار اور دار قطنی نے نقل کیا ہے ۔ میں ہے :۔

ان النبیؐ سئل عن اللقطة فقال	لقطہ کے بارے میں جب رسول اللہ صلی اللہ
لا تحل اللقطة فمن التقط شیئا	علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا
فلیعرفه سنة فان جاء صاحبه	لقطہ (اٹھانے والے کے لیے) حلال نہیں ہے
فلیرده الیه وان لم یات فلیتصدق	جو اٹھائے اس کی سال بھر تک تشہیر کرے اگر
به الخ [1]	مالک آجائے تو اسے دیدے ورنہ صدقہ کردے ۔

اور یہی مسلک متعدد کبار صحابہؓ و تابعینؒ کا بھی ہے ۔ امام ترمذیؒ اپنی جامع میں فرماتے ہیں :۔

قال بعض اهل العلم من اصحاب	بعض اہل علم صحابہؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ
النبیؐ وغیرهم یعرفها سنة فان	لقطہ کی سال بھر تک تشہیر کی جائے ، اگر مالک
جاء صاحبها والا تصدق به وهو	آجائے تو کیا خوب! ورنہ اسے صدقہ کردیا
قول سفیان الثوری وعبد الله	جائے ۔ یہی مسلک سفیان ثوری اور عبداللہ
بن المبارك ۔ [2]	بن مبارک کا بھی ہے (یہ دونوں جلیل القدر تابعی ہیں)۔

مشہور فلسفی فقیہ علامہ ابن رشدؒ اندلسی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'بدایۃ المجتہد' میں ذکر کیا ہے کہ یہی قول حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے [3]۔ صاحبِ الجواہر النقی ؒ نے مصنف ابن ابی شیبۃ کے حوالے سے (بہ سند متصل) حضرت عمرؓ کا یہ معمول نقل کیا ہے :۔

---

[1] الدرایۃ لتخریج احادیث الهدایۃ للزیلعی برحاشیہ ہدایہ ج۲ صفحہ ۵۹۴ ۔ [2] باب ماجاء فی اللقطۃ الجامع للترمذی ج۱ ص۱۶۵

[3] بدایۃ المجتہد ج۲ ص۳۰۱ ۔ یہ حکم کہ مال حرام پر قبضہ کرلینے کے بعد بھی قابض کی ملکیت نہیں قائم ہوتی اور نہ اس کیلئے اسکا استعمال جائز ہوتا ہے بلکہ ایسے مال کا صدقہ کرنا ہی ضروری ہے، دیگر ماخذ و شواہد کے علاوہ دورِ حاضر کے مشہور وسیع النظر عالم شیخ یوسف القرضاوی کی۔ حسب ذیل تحقیق سے ثابت ہوتا ہے : "المال الذی یحوزه صاحبه بطریق خبیث ... کالغصب .... والرشوة ، والربا ... فالصحیح ان هؤلاء لا یملکون هذه الاموال .... وان خلطوها باموالهم الحلال حتی لم تتمیز منها ۔ قال العلماء لو کان الخبیث من المال نصابا لا یلزمه الزکاة لان الواجب علیه تفریغ ذمته برده الی اربابه ان علموا"

(باقی ص۳۸ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کان عمرؓ یامراً ان تعرف اللقطۃ	حضرت عمرؓ کا عمل تھا کہ لقطہ کی تشہیر
فان جاء صاحبہا والا تصدق	کرتے تھے اگر مالک نہ آتا تو صدقہ کر دیا
بہا۔۔۔۔	کرتے تھے۔

اور اس کی سند کے بارے میں کہا ہے "ھذا سند جلیل متفق علیہ إلا ابراھیم فان مسلماً انفرد بہ"[1]۔ اور اس میں حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بھی یہی مسلک سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور حضرات عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن المسیبؒ، شعبیؒ، حسن بصریؒ، طاؤسؒ اور عکرمہ جیسے جلیل القدر صحابہؓ اور تابعین کا بھی یہی قول نقل کیا ہے[2]۔ اتنی کثیر تعداد (صحابہؓ اور تابعینؒ) کی جب یہ رائے رکھتی ہے تو حدیثِ بالا میں اگر کچھ ضعف بھی ہو (جیساکہ بعض محدثین نے کہا ہے) تو اس کی تلافی ہو جائے گی اور حدیث قابلِ استدلال بن جائے گی جیساکہ محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے:۔

فلو سمعنا ضعف حدیث ابی ھریرۃؓ	اگر بالفرض ہم یہ مان بھی لیں کہ حدیث ابوہریرہؓ
فی الصدقۃ کفانا جواز التصدق	(مذکورہ بالا حدیثِ رسول اللہ) ضعیف ہے تو
بالاجماع[3]	صدقہ کے جواز پر اجماع کا ہونا، کافی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مالِ حرام کے صدقہ کرنے کے حکم پر تقریباً تمام مسالک کے علماء متفق نظر آتے ہیں۔ (جیساکہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا) البتہ امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین اسے لقطہ کے حکم میں رکھتے ہیں، اور ان کی تحقیق میں، مذکورہ بالا دلائل کی بناپر، لقطہ کا صدقہ کرنا بھی واجب ہے۔ (اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے)، دیگر فقہاء بھی ۔۔۔ اگرچہ لقطہ کا حکم اس سے مختلف بتاتے ہیں لیکن ۔۔۔ اموالِ حرام کا یہی حکم

(صفحہ ۳ کا بقیہ حاشیہ) اُو إلی ورثتھم والا فالی الفقراء وھنا یجب التصدق بہ کلہ۔" فقہ الزکاۃ ص۱۳۳ ج۱ بحوالہ البحر الرائق، وحاشیہ لابن عابدین ص۲۲۱ ج۲

[1] الجوھر النقی ص۳ ج۲

[2] الجوھر النقی ص۵ ج۲

[3] فتح القدیر لابن الہمام ص۱۲ مطبوعہ پاکستان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کرتے ہیں، وحافظ ابن قیمؒ کی زاد المعاد کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ وہ یہ مسلک صحابہ سے ثابت شدہ کہتے ہیں) صاحب ہدایہ نے اس سلسلہ میں ایک بہت پتہ کی بات لقطہ کا حکم بیان کرتے ہوئے ذکر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

فان جاء صاحبها دفعها إليه	(لقطہ کا مالک آجائے تو اسے دیا جائے
إلا التصدق بها إيصالا للحق	ورنہ صدقہ کر دیا جائے کیونکہ حق کا صاحبِ حق
وهو واجب بقدر الإمكان و	تک ممکنہ طریقہ سے پہنچانا ہی مطلوب ہے
ذلك بإيصال عينها عند الظفر	تو اگر مالک مل جائے تو اصل مال اس
بصاحبها وإيصال العوض	تک پہنچ جائے گا، ورنہ اس کا عوض یعنی
وهو الثواب على اعتبار إجازته	اجر آخرت اسے ملے گا (اجازت کی
التصدق بها۔ [1]	صورت میں)۔

مال حرام فقیر ہی کو دینا ضروری ہے

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا مناسب (بلکہ شاید ضروری) ہو گا کہ ایسے اموال (جو حرام ذریعہ سے حاصل ہوئے ہوں اور ان کے اصل مالکین لوٹانا کسی بھی طرح ممکن نہ رہا ہو، ان) کا فقراء ہی پر صدقہ کرنا ضروری ہے، عام مصرف خیر میں صَرف نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ سابق مفتی اعظم پاکستان و صدر مفتی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد شفیع نور اللہ مرقدہ نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ فقراء پر صدقہ کرنا (یعنی انہیں مالک بنانا) ہی ضروری ہو گا، کسی اور طرح کے مصرف خیر میں خرچ کرنا (مثلاً مسجد بنانا، یا بنائے مدارس میں خرچ کرنا) جائز نہ ہو گا۔ موصوف نے اس مسئلہ پر پورا ایک رسالہ "اشباع الکلام من مصرف الصدقة من الحرام" تحریر فرمایا ہے[2]۔ اس میں کثیر دلائل سے اس رائے کی صحت ثابت کی ہے اور مخالف اعتراضات واحتمالات کے شافی جوابات دیئے ہیں۔ راقم سطور بھی۔

[1] ہدایہ ص۵۹۵ ج۲

[2] یہ رسالہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص۱۰۵ تا ۱۰۸ (مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند) کی جلد ہفتم و ہشتم میں شامل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں نقطۂ نظر رکھنے والوں کے دلائل اور کلام پر غور کرنے کے بعد۔ یہی قول راجح سمجھتا ہے جسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ثابت کیا ہے۔ (تفصیل کے طالب رسالہ دیکھیں) ، بعض علماء نے عام مصارف خیر میں ایسے اموال کا صرف کر دینا جائز بتایا ہے۔ اور مفتی شفیع صاحبؒ کے استدلال کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے (لیکن جیسا کہ اوپر گذرا دلائل کی قوت سے مفتی صاحب ہی کی رائے راجح ثابت ہوتی ہے)۔ مفتی صاحبؒ کی بحث و تحقیق کا ایک اہم جزو یہ ہے کہ "تمام فقہی ماخذ اور معتبر کتابوں میں ایسے اموال کا حکم "تصدق بہ" یا "وجب علیہ التصدق" جیسی عبارتوں میں بتایا گیا ہے۔ (یہ بات اس مقالہ[ع] میں بھی متعدد حوالوں سے مذکور ہو چکی ہے) نیز فتاویٰ بزازیہ اور عالمگیری میں بھی "تصدق" کے الفاظ ملتے ہیں، اور جب "تصدق" مطلق بولا جائے تو فقہا کے یہاں اس سے واجب التملیک صدقہ ہی مراد ہوتا ہے جس کا مصرف فقراء ہیں، مدارس و مساجد نہیں۔ جیسا کہ امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ نے "احکام القرآن[۱]" میں قرآن مجید کی آیت "وفی الرقاب" کے تحت صراحت کی ہے :-

وعتق الرقبة لا تسمى صدقة	غلام کا آزاد کرنا صدقہ نہیں کہلائے گا۔
وما اعطى فى ثمن الرقبة	غلام کی قیمت میں جو رقم صرف ہوگی وہ بھی
فليس بصدقة .... وأيضاً	صدقہ نہیں ہے .... اسلئے کہ صدقہ کا
فان الصدقة تقتضى تمليكاً	تقاضہ ہے کہ فقیر کو مالک بنا دیا جائے
.... اذ شرط الصدقة وقوع الملك	صدقہ کی شرط ہی یہ ہے کہ فقیر کی ملکیت
للمتصدق عليه (ایضاً) [۱]	ہو جائے۔

ع۔ ابھی گذشتہ صفحہ کے حاشیہ پر بھی "البحر الرائق" کی عبارت میں "یجب التصدق" ہونا بحوالہ مذکور ہو چکا ہے۔

۱۔ احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص۱۵۳

۲۔ رسالہ "اشاعۃ الکلام"۔ مفتی صاحبؒ موصوف نے اور بھی متعدد ماخذ کی روشنی میں اپنی بات کو مدلل کیا ہے، نیز مخالفانہ اعتراضات و احتمالات کے جواب بھی دیئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں مفتی اعظم اوّل دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک فتویٰ مطبوعہ یہ ملتا ہے :۔ " ناجائز کمائی کا یہ حکم ہے کہ وہ اصل مالک کو واپس دی جائے اور اگر مالک یا اس کے وارث نہ ہوں تو فقراء اور مساکین پر صدقہ کیا جاتے، اس لئے مدارس کے غریب طلبا کو دینا جائز ہوگا، اور مسجد کے امام و موذن بھی اگر غریب ہوں تو ان کو لوجہ اللہ بطور صدقہ دینا جائز ہوگا، تنخواہ میں دینا ان کو بھی جائز نہیں، اسی طرح مسجد میں لگانا بہرحال مکروہ ہے۔[ل]

ضروری اور قابل لحاظ بات

اس لیے ضروری ہے کہ ایسے اموال، صرف فقراء کو دیئے جائیں، اور انہیں مال کا مالک بنا یا جائے، البتہ فقیر مالک بننے کے بعد اسے تمام جائز کاموں پر خرچ کر سکتا ہے[ع]۔ (جس میں کسی مدرسہ کی امداد یا مسجد کی تعمیر بھی شامل ہے)۔ جن علماء نے بینک سے ملنے والے سود کا مصرف 'رفاہ عام' کے تمام کام بتاتے ہیں، اور فقراء پر صدقہ کرنا ہی واحد مصرف نہیں قرار دیا ہے ان کے پیش نظر غالباً صرف ہندوستان رہا ہے[ع] (وہ بھی "دارالحرب" تسلیم کرلیے جانے کی صورت میں) کیونکہ عموماً

ل فتاویٰ دارالعلوم ص۳۴۷ جلد پنجم، ہشتم۔

ع چونکہ فقیر کو مالک بننے کے بعد شرعاً یہ حق مل جاتا ہے کہ اب وہ جہاں۔ جائز مصرف میں۔ چاہے اسے صرف کرے۔ اسلئے اگر وہ کسی ایسی جگہ خرچ کرتا ہے جہاں (اس فقیر کے پاس آنے سے قبل) یہ مال خرچ نہیں کیا جا سکتا تھا، تو بھی صحیح ہوگا۔ اس بات کی تائید صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ بخاری شریف ص۲۰۲ ج۱ میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت بریرہؓ نے ایسا گوشت پیش کیا جو انہیں کسی نے صدقہ کے طور پر دیا تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمالیا۔ (حالانکہ صدقہ کے استعمال سے آپؐ انتہائی احتیاط فرماتے تھے) جب توجہ دلائی گئی تو فرمایا کہ " بریرہ کیلئے وہ صدقہ تھا (اور جب بریرہ نے مالک بن جانے کے بعد وہ ہمیں دیا تو چونکہ ان کی نیت صدقہ کی نہیں بلکہ ہدیہ کی ہے اسلئے) وہ ہمارے لیے ہدیہ ہے" اسی سے فقہا نے ایک اہم اصول اخذ کیا ہے کہ " تبدیل ملک تبدیل عین کا سبب ہے" متن حدیث اس طرح ہے :۔ " ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بلحم تصدق علی بریرۃ فقال ھو علیھا صدقۃ وھولنا ھدیۃ " اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ام عطیہؓ سے متعلق بھی بخاری ہی میں مروی ہے۔

ع اس کے قرائن بھی ملتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ فتاوے اکثر انگریزی حکومت کے زمانے کے ہیں، علاوہ ازیں حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات میں بھی ملتا ہے کہ :۔ " جو بینک ریاست اسلامیہ کے ہیں ان سے سود لینا سمجھ میں نہیں آتا جو بینک مشترکہ مسلم اور غیر مسلم کے ہیں ان کا حکم حربیوں کا نہیں ہوسکتا۔" (مکتوبات ج۱ ص۱۶۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حضرات نے اپنے مدعا کا اثبات ہدایہ میں مذکور (امام محمد کی "سیر کبیر" کی) ایک عبارت سے کیا ہے جس میں صراحت کے ساتھ "اہل الحرب" کے اموال کا مصرف "مصالح المسلمین" کو قرار دیا گیا ہے۔

اگر مذکورہ بحث (سود کے مصرف کی بحث) صرف ہندوستان یا اس جیسے دیگر ملکوں ہی سے متعلق و محدود ہوتی تب تو کسی درجہ میں اس عموم کی گنجائش نکل سکتی تھی، اگرچہ اس میں (ہندوستان جیسے ملکوں کے بارے میں) بھی یہ واقعی احتمال موجود ہے کہ بینکوں میں سرمایہ جمع کرنے والے، یا بینکوں سے سود پر قرض لینے والے صرف غیر مسلم (اہل الحرب) ہی نہیں ہوتے بلکہ مسلمان بھی معتدبہ تعداد میں ہوتے ہیں۔ (اور شاید یہ کہنا، عام جائزہ کے پیش نظر، غلط نہ ہوگا کہ مسلمان اپنے عددی تناسب سے کچھ زیادہ ہی سود دینے والے ملیں گے) تو پھر مسلمان سے وصول کردہ سود کا مصرف بعینہٖ وہ قرار دینا جو حربی کے اموال کا ہے کیونکہ درست ہو سکتا ہے!؟ اس پہلو کے پیش نظر رکھنے کے بعد ہندوستان جیسے ملکوں (اگر انہیں دارالحرب مان لیا جائے تب بھی ان) کے بینکوں سے ملنے والے سود کی رقم کا بالکلیہ وہ مصرف قرار دینا جو "اہل الحرب" کے اموال کا ہے درست نہ ہوگا۔ اس لیے یہاں بھی بینک کے سود کو عام مصرف خیر میں خرچ کرنے کے عمومی جواز کا فتویٰ دینا خلاف احتیاط ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ کہ مذکورہ بحث (سود کے مصرف کی بحث) ہندوستان یا اس جیسے دیگر ملکوں ہی تک کیوں محدود رکھی و سمجھی جائے؟ کیا وہ ممالک جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور جنہیں، دارالحرب، قرار دینا ممکن نہیں، ان میں سودی بینکوں کا نظام رائج نہیں ہے؟ اور کیا وہاں بھی مسلمان بینکوں سے سود پر قرض لیتے یا دیتے نہیں ہیں؟ اگر وہاں بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے (اور یقیناً ہو رہا ہے) تو پھر کیا وہاں کے مسلمانوں کا اس مسئلے سے واقف ہونا، یا انہیں یہ مسئلہ بتانا غیر ضروری ہے؟ (اگرچہ مسلم اکثریت کے ملکوں سودی نظام کا بدلنا، شرعی فریضہ ہے جو سب پر عائد ہوتا ہے۔

---

۵ کیونکہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ 'دارالحرب' میں بھی کسی مسلمان کا مال وہاں کے مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے۔ (سیر کبیر ج ۳ ص ۲۲۶ کی عبارت سے یہی نکلتا ہے، جیسا کہ مولانا گیلانیؒ نے اپنے مقالہ میں ذکر کیا ہے۔ مولانا گیلانیؒ کا مقالہ مودودی صاحب نے اپنی کتاب 'سود' میں نقل کیا ہے)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنابریں بینک سے سود کے طور پر وصول شدہ رقم کی نوعیت، لقطہ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتی۔
(اوپر گذرا کہ 'لقطہ' کے مصرف کے بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ "واجب التصدق ہے")
جو بھی بینک کے نظام سے ذرا واقف ہے جانتا ہے کہ بینک کو سود دینے والوں۔ یعنی اس رقم کے اصل مالکین۔ کا پتہ چلانا متعذر ہے کیونکہ بینکوں کا یہ عمومی دستور ہے کہ وہ "کھاتہ دار" کے علاوہ کسی اور کو۔ کھاتہ، بینک بیلنس، یا درآمد برآمد وغیرہ تفصیلات سے۔ مطلع نہیں کر سکتے۔

اگر بینک تجارت کے ذریعہ حاصل شدہ اپنے سرمایہ سے بھی سود دیتا ہے، اور اس کا بینک کو لوٹانا شرعی مصلحت سے ناجائز یا نامناسب ہے، تو بھی اس کا صدقہ واجب ہے۔ جیساکہ اوپر۔ متعدد مکاتب فکر رکھنے والے ممتاز علماء وفقہاء کی تصریحات کے دوران۔ بیان ہوا، اور پھر اس حقیقت سے صرف نظر کر لینا بھی درست نہیں کہ 'بینک' جس طرح کے معاملات کو 'تجارت' کا نام دیتا ہے کیا واقعتہً وہ سب شکلیں شرعاً بھی 'تجارت' ہی کا مصداق ہیں؟ یا ان میں سے بعض نے حقیقتِ شرعیہ کے لحاظ سے۔ ربوٰ ہی کے ذیل میں آتی ہیں؟

غرضیکہ ان سب امور کے پیش نظر رکھنے کے بعد 'بینک' سے حاصل ہونے والے 'سود' کا مصرف کیا ہو؟ اس سوال کا عمومی جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ " اسے صدقہ کرنا ہی ضروری ہے "۔

یہاں ایک اور بات بھی قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ جو شخص مالِ حرام فقیر کو دے وہ اپنی طرف سے صدقہ کی نیت نہ کرے، کیونکہ یہ شخص صدقہ کرنے والا نہیں ہے، بلکہ صدقہ حقیقتاً اس شخص کی طرف سے ہے جو اس مال کا اصل مالک و مستحق ہے۔ یہ شخص تو از جانب شرع۔ ایسی صورت میں۔ اصل مالک کا نائب، یا وکیل بالصدقہ ہے۔ (اس لیے صدقہ کا ثواب اصل مالک کو ملے گا نہ کہ اس کے نائب کو۔) اس بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر یہ شخص اپنی طرف سے صدقہ کی نیت کرے گا تو۔ خلافِ واقعہ ہونے کی وجہ سے۔ خادع اور گنہگار ہوگا۔ البتہ اسے صدقہ پہنچانے یعنی مالک و فقیر کے درمیان واسطہ بننے کا ثواب انشاءاللہ ملے گا۔ اس تجزیہ کے بعد یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ

© rasailojaraid.com

کہ چونکہ یہ اصل مستحق نہیں بلکہ نائب ہے اس لیے اپنے ماں باپ کو، اگر وہ شرعاً مستحق ہوں، بھی یہ ایصال دے سکتا ہے۔ بلکہ اس بنیاد کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اپنے اوپر بھی خرچ کرسکنا جائز ہو۔ مگر احتیاطاً اور مصلحۃً اس شخص کو اپنے اخراجات میں لانا جائز نہیں رکھا گیا کیونکہ اس طرح اصل مالک کو تلاش کرنے اور اس تک اموال پہنچانے میں سستی پیدا ہو جانا قدرتی تھا۔ نیز حیلہ جوئی اور بہانہ بازی کے لیے راہ کھل سکتی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بنیک سے جو سود کی رقم ملے وہ فقراء (یعنی صدقہ کے مستحقین) ہی کو دینا ضروری ہے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ صحیح نہیں ہے۔

اللّٰھم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ، واھدنا سواء السبیل، وصلی اللّٰہ علیہ سیدنا ورسولنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فہرستِ مآخذ

۱۔ قرآن حکیم

حدیث	۲۔ الجامع الصحیح البخاری (بخاری شریف)	ابو عبداللہؒ محمد بن اسمٰعیل البخاری	(اصح المطابع کی نقل رحیمیہ دیوبند)
״	۳۔ الصحیح المسلم (مسلم شریف)	ابو الحسینؒ مسلم بن الحجاج القشیری	(״)
״	۴۔ الجامع للترمذی (ترمذی شریف)	ابو عیسیٰؒ محمد بن عیسیٰ الترمذی	(مکتبہ رشیدیہ دہلی)
״	۵۔ سنن ابی داؤد (ابو داؤد شریف)	ابو داؤدؒ سلیمان الاشعث السجستانی	(بالواسطہ)
״	۶۔ المجتبیٰ للنسائی (نسائی شریف)	ابو عبدالرحمٰنؒ احمد بن شعیب النسائی	(״)
״	۷۔ سنن ابن ماجہ (ابن ماجہ شریف)	ابو عبداللہؒ محمد بن یزید بن ماجہ	(״)
״	۸۔ مسند احمد	ابو عبداللہؒ احمد بن محمد بن حنبل	(״)
״	۹۔ السنن الکبریٰ للبیہقی	ابو بکرؒ احمد بن الحسین البیہقی	(״)

© rasailojaraid.com